جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

بیاد
محدثِ کبیر عالم ربانی حضرۃ مولانا سید حامد میاں

شعبان ۱۴۳۲ھ / جولائی 2011ء

کیا یہ درست ہے؟
اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں

ٹی۔وی چینل، جواز یا عدم جواز

زندگی کا مقصد کیا؟

مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کی علمی خصوصیات

اچھے لوگوں کی صحبت اور اُس کے اثرات

جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

اے کہ تیرا وجودِ پاک باعثِ فخر کائنات
اے کہ تیرے غلام ہیں فاتحِ مصر و قدس و شام

اے کہ تیرے ظہور سے علم و عمل کے در کھلے
مہرِ یقین و سوزِ تام تیری عطا ہے تیرا نام

اے کہ تری زباں ہوئی مظہرِ سرِّ دو جہاں
کشفِ شہودُ غیب ہے وحی تری ترا کلام

اے کہ تری نگہ ہوئی کفر و ظلم کی پردہ سوز
رحمتِ عام و لطفِ خاص ہے تری تیغِ بے نیام

تیرا غبارِ رہ گزر ہادی و قائدِ اُمَم
فقر و غنا و عیش و غم تیرے سبو ہیں تیرے جام

اے کہ تیرا دوامِ حُزن ناشرِ علم و فضل و عدل
مُہر وفا و داغِ عشق تیرا سکوت اور کلام

تجھ کو رہی صباح و لیل امّتِ ناتواں کی فکر
بس کہ تمام مُنتَظَر تیرا سعیدِ نا تمام

(مفتی محمد سعید خان)
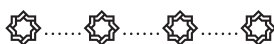
علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

لاہور

جلد نمبر: 3	شعبان ۱۴۳۲ھ / جولائی 2011ء	شمارہ نمبر: 13

نگران

حضرت اقدس مولانا سید رشید میاں دامت برکاتہم

مدیر

مفتی محمد سعید خان

مجلس مشاورت

- مولانا شیر الرحمٰن
- مولانا حبیب اللہ اختر
- محمد اورنگ زیب اعوان
- کمپوزنگ: سہیل عباس خدامی

رابطہ نمبر: 0333-8383337
0333-8383336

E.Mail: alnadwa@seerat.net
www.seerat.net

زرِ تعاون

فی شمارہ: 30 روپے، ششماہی: 150 روپے، سالانہ: 300 روپے

بیرون ملک

امریکہ، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ
ویسٹ انڈیز، ناروے وغیرہ 30 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط
بحرین، ایران، عمان، انڈیا وغیرہ 25 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش 20 امریکی ڈالر
اکاؤنٹ نمبر: 0060-0081-002374-01-9
الحبیب بینک پاکستان

پتہ برائے خط و کتابت و ترسیل زر
دفتر ماہنامہ الحامد: الندوہ ایجوکیشنل ٹرسٹ، مین مری روڈ، چھتر، اسلام آباد پاکستان 46001

مولانا نعیم الدین طابع و ناشر نے پرنٹ یارڈ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''الحامد'' لاہور سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	مصنف	صفحہ نمبر
1	کیا یہ درست ہے؟ اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں	مدیر کے قلم سے	3
2	تفہیم الفرقان	مفتی محمد سعید خان	9
3	ٹی ۔ وی چینل، جواز یا عدم جواز	مفتی محمد سعید خان	19
4	دعا سرورِ کونین ﷺ کے نقطۂ نظر سے	پروفیسر جاوید اقبال	26
5	زندگی کا مقصد کیا؟	مفتی محمد سعید خان	37
6	مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے تلامذہ کی علمی و تصنیفی خدمات	محمد اورنگ زیب اعوان	48
7	اچھے لوگوں کی صحبت اور اس کے اثرات	مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی	58

اداریہ

کیا یہ درست ہے؟

''اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں۔''

مدیر کے قلم سے

گذشتہ چند برس سے یہ جملہ ''اپنے مسلک کو چھوڑو نہیں اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہیں'' بار بار سننے میں آرہا ہے اور اس کے نتائج وعواقب پر غور کیے بغیر اسے اتنا پیٹا جارہا ہے کہ سنتے سنتے اب کان پکنے کو آگئے۔ اس پر طرّہ یہ کہ اسے حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ سے منسوب کیا جارہا ہے، جن کی اپنی علمی وعملی زندگی اس میدان میں گذری کہ وہ اپنے دور میں اُٹھنے والے فتنوں کے ردّ میں پیش رو اور ثابت قدم رہے۔

حق تو یہ بنتا تھا کہ حضرت تھانوی بردّ اللہ مضجعہ کے منتسبین اس جھوٹ کی تردید فرماتے کہ ہر حکومت کے کاسہ لیس، یار لوگوں نے اسے خود سے گڑھ لیا ہے، حضرت نوراللہ مرقدہ کے ملفوظات سے لے کر تحریرات تک کہیں اس جملے کا وجود نہیں ملتا اور ان کی تعلیمات بھی اس طرح کا سبق نہیں دیتیں۔ یہ ان پر سراسر بہتان ہے۔ انہوں نے دوسرے مسالک (اگر مسالک کا لفظ وسیع معنیٰ میں لیا جائے تو) مثلاً عیسائیت، مرزائیت، رافضیت، بریلویت، نیچریت اور غیر مقلدیت کے خلاف زبردست قلمی جہاد کیا اور ہر موقع پر ان کا ردّ فرماتے رہے لیکن ہوا یہ کہ ''صلح کل'' کی ہوا، اپنے زمانے کے حالات اور حکومتی پالیسی کو دیکھتے ہوئے، اس جملے کی مسلسل تشہیر کی جاتی رہی اور تادم تحریر یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اھل السنۃ والجماعۃ کے اکابرین میں سے ایک تھے، ان پر اب جب کہ یہ تہمت لگائی جارہی ہے تو اھل السنۃ والجماعۃ کے ہر فرد کا حق بنتا ہے کہ اس مغالطے کی تردید کرے۔

اصول کی بات یہ ہے کہ اھل السنۃ والجماعۃ کا ہمیشہ سے یہ شعار رہا ہے اور اھل شرک، کفر اور بدعت، جب بھی اپنے مسلک کا اظہار اور اس کے ترویج کی کوشش کریں، علمی طور پر ان کا رڈ کیا جائے۔ تحریر اور تقریر میں شائستگی کے ساتھ ان کی گمراہی کو واضح کیا جائے اور صحیح دین کی دعوت دی جائے۔ لوگوں کو دلائل اور حکمت عملی سے یہ بات سمجھائی جائے کہ اھل السنۃ والجماعۃ کے علاوہ ہر مسلک گمراہی پر مشتمل ہے اور آخرت برباد ہونے کا خطرہ نہایت قوی ہے۔ حدود کا نفاذ، حکومت کا کام ہے۔ قانون اپنے ہاتھ میں لیے بغیر فرق باطلہ وضالہ کی تردید ضرور کی جائے۔

اھل السنۃ والجماعۃ ہمیشہ اسی مسلک پر عمل کرتے رہے ہیں اور ان کا یہ مسلک عین کتاب وسنت کے مطابق ہے۔ اگرچہ وہ اس زمانے میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوگئی ہے۔ جب وہ فرق باطلہ وضالہ کی تردید کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو ”نہ چھیڑنے“ کی لوری سنائی جاتی ہے اور اتحاد واتفاق امت کے نام پر اپنے مسلک میں ”لچک“ پیدا کرنیکا مشورہ دیا جاتا ہے لیکن انہیں بالکل گھبرانا نہیں چاہیے۔ سیدنا مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے دور کا صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے کہ ان کا آخری گروہ، جو نہایت قلیل تعداد میں رہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ان دونوں برگزیدہ بندوں علیہما الصلاۃ والسلام سے الحاق اور حسن آخرت کے انعامات سے نوازا جائے گا۔

اھل السنۃ والجماعۃ جب بھی بطریق احسن، ان گمراہوں یا منافقوں کی تردید کرتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کریں، الٹا یہ سبق پڑھانے لگتے ہیں کہ آپ بھی ہماری طرح ہو جائیں۔ خوف خدا سے بے نیاز اور حساب آخرت سے بے پرواہ۔ حالانکہ یہ قرآن کریم کو پڑھتے تو ضرور اس میں ایسی آیات پاتے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو بتایا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد کیسے بندر اور سور بنادیے گئے تھے اور ان پر غضب الٰہی کیسے نازل ہوا تھا اور عیسائیوں کو گمراہی کی آخری حد یعنی کافر کہا گیا ہے اب اگر کوئی عیسائی یا یہودی کہے کہ ان آیات کو قرآن کریم سے نکالو کیونکہ یہ ہمیں ”چھیڑتی“ ہیں، تو ان صلح کل

کا مسلک رکھنے والوں سے دریافت کرنا ہے کہ پھر کیا کیا جائے؟

امریکہ میں بہت سے ایسے لوگوں سے ملاقات رہی جو یہ کہتے تھے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم سے دو قسم کی آیات نکال دی جائیں ایک تو وہ جن میں عیسائیوں اور یہودیوں کی مذمت ہے اور دوسری وہ جن میں حضرت سیدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے افعال اور سزا کا بیان ہے۔

وہ سب بھی اسے مسلک کو ''چھیڑنے'' ہی سے تعبیر کرتے تھے۔

حضرت صاحب الرسالۃ علیہ الصلاۃ والتسلیم نے امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بتادیا تھا کہ جیسے آج مجھے نزول قرآن پر مشرکین کے خلاف جہاد کرنا پڑ رہا ہے، وقت آئے گا جب آپ اس قرآن کی غلط تفسیر کرنے والوں سے جہاد کریں گے۔ چنانچہ خوارج ـــ جنہیں فقہائے اُمت نے کافر نہیں بلکہ بدعتی قرار دیا ہے ـــ ان کے خلاف انہیں جہاد کرنا پڑا۔

اب چونکہ اسلامی حکومت نہیں رہی اس لیے جہاد تو کیا ہو لیکن کیا علماء اھل السنۃ والجماعۃ کو بدعتیوں کے خلاف تحریری اور تقریری جہاد بھی دائرہ انسانیت میں رہ کر کرنے کی اجازت نہیں؟

معتزلہ کی طاقت، ان کا دبدبہ اور ان کی سطوت کئی صدیوں تک بذریعہ حکومت، امت پر چھائی رہی، حتیٰ کہ خلیفۂ وقت مامون الرشید معتزلی ہوگیا تو کیا اس دور کے محدثین رحمہم اللہ وشکر اللہ سعیہم نے ان اہل بدعت کے خلاف اپنی زبانیں بند اور قلم کو دوات سے الگ کر دیا تھا۔ آج تک صحیح بخاری میں کتاب التوحید پڑھاتے ہوئے (بشرطیکہ شیخ الحدیث صاحب نے عقیدے کو صحیح پڑھا ہو) کون ہے جو معتزلہ، جہمیہ اور قدریہ کا ردّ نہیں کرتا۔ کیا یہ سب دوسروں کے مسلک کو چھیڑنا نہیں ہے؟ کیا اب اس سے بھی دستبردار ہونے کا ارادہ ہے؟

فارسی کا جنازہ ہمارے مدارس سے بھی اُٹھ گیا اور کم سے کم بھی ایک ہزار سال کی تاریخ، ادب، شاعری، فلسفہ، تفاسیر، احادیث اور کتب فقہی سے، کیا ہمارے طلباء اور کیا مدرسین، کیا علماء اور کیا مفتیان کرام،

سبھی فاتحہ فراغ پڑھ کر فارغ ہوئے۔ اگر یہ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریف اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ازالۃ الخفا پڑھتے تو ان کی آنکھیں کھل جاتیں کہ کیسے اور کیوں کر اہل بدعت کے خلاف لکھنا اور پڑھنا ضروری ہے اور اھل السنۃ والجماعۃ اور خاص طور سے ماتریدی حضرات رحمہم اللہ پر اللہ تعالیٰ کی کیا خاص عنایات ونوازشات ہیں۔

خود علماء دیوبند کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو تمام کتابیں ہی اہل ضلال کے ردّ میں ہیں۔ وہ ہمیشہ ان فتنوں ہی کے خلاف لکھتے رہے ہیں۔ پھر ان سے لے کر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک کون ہے جس نے شرک وبدعت کے خلاف قلمی ولسانی جہاد نہ کیا ہو؟

عجیب نعرہ ہے کہ وہ تو کتاب وسنت اور اھل السنۃ والجماعۃ کے خلاف گمراہی پھیلاتے رہیں، لکھتے رہیں اور تقاریر بھی کریں اور ہم ''انہیں مت چھیڑو'' کے راگ الاپتے رہیں۔

مسلک اھل السنۃ والجماعۃ پر متصلب نہ رہنا اور شرک وبدعت کے خلاف متانت وسنجیدگی سے کام نہ کرنے کا ہی تو نقصان ہے کہ آج دیوبندی علماء بدعات میں غرق ہیں اور طریقت وتصوف کے نام پر اپنے اکابر کے بدنام کنندہ اور یہ پیر اور پیرزادگان ان تعلیمات سے بالکل بے بہرہ ہیں، جن کا منبع آب حیات، تحذیر الناس، ہدایات الرشید، بوادر النوادر اور مکتوبات شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ اس تحریر پر یقین نہ کریں خود جائیں اور آزما کر دیکھ لیں، ممکن ہی نہیں کہ انہوں نے ان کتابوں کے چار صفحے بھی کبھی پڑھے ہوں۔ اکابر کے نام پر لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرنا، ان کے نام پر چندے اکٹھے کرنا، اور اپنے کو ان کے متبع کرنے کی نمائش بہت اور ان کی کتابوں کو پڑھنا تو درکنار اور ان کے نام تک انہیں معلوم نہیں۔

اور اس ''صلح کل'' کے پرچار کا ہی ایک بھیانک نتیجہ یہ بھی نکلا ہے کہ ہماری نئی نسل کو دین ہی سے دلچسپی

نہیں رہی۔ انہیں یہ چھوٹ ملی کہ تصلب کرترک کردو انہوں نے دین ہی کو چھوڑ دیا۔ انہیں منع کیا تھا کہ غیراللہ کے نام پر نذر و نیاز نہ دینا انہوں نے مدارس و مساجد کو چندہ دینا بھی چھوڑ دیا اور انہیں منع کیا تھا تعظیم لغیر اللہ نہ کرنا انہوں نے توحید بھی چھوڑ دی۔ اس نئی نسل کو کوئی پرواہ نہیں رہی کہ دیوبندیت کیا ہے اور اہل بدعت کون ہیں؟ اہل حق کا مسلک کون سا ہے؟ اور اہل باطل سے کیوں بچنا ہے؟ مغربی ثقافت کا جادو وہ سر چڑھ کر بول رہا ہے کہ انہوں نے دین ہی کو خدا حافظ کہہ دیا ہے۔

تشدّد کا کون قائل ہے، سبھی اس کے خلاف اور اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں لیکن اس کی آڑ میں یہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ اھل السنۃ والجماعۃ اپنے مسلک حقہ کی تعلیم و ترویج چھوڑ دیں اور اہل باطل کے خلاف نہ شائستگی سے تقریر کریں اور نہ سنجیدگی سے ان کے ردّ میں کوئی مضمون یا کتاب لکھیں۔ دونوں باتیں ضروری ہیں اہل حق سے موالات اہل باطل سے تبریٰ ورنہ دین کی تکمیل نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب تحریر فرمایا ہے۔

علامت این تصدیق تبریست از کفر و بیزاری از کافری وانچه در کافری است از خصائص ولوازم آن همچون بستن زنارو مثل آن اگر عیاذاً باللہ سبحانه بادعوی این تصدیق تبری از کفر ننماید مصدق دینین است که بداغ ارتداد متسم است وفی الحقیقت حکم اوحکم منافق است لا الیٰ هو لاء ولا الیٰ هو لاء پس در تحقیق ایمان از تبری کفر چاره نبود نائے آن تبری قلبی است او علائے آن تبری قلبی و قالبی.

(درالمعرفت، مکتوب :۲۲۶،ج:۱،ص:۱۲۴)

ایمان اور تصدیق قلبی کی علامت یہ ہے کہ کفر اور کفر کی جتنی بھی رسومات ہیں ان سب سے بیزاری کا اظہار کرے۔ اور جو کفر کی علامات ہیں جیسے ہندوؤں کا گلے میں دھاگہ ڈالنا وغیرہ، ان سب سے بیزاری اور تبریٰ کرے۔ اگر کوئی شخص کفر سے بیزاری کا اظہار نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بیک وقت دو دایان (اسلام اور کفر) کی تصدیق کر رہا ہے۔ اس حرکت سے اس شخص پر ارتداد کا حکم لگے گا اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا شخص منافق ہے جیسے کہ قرآن کریم میں منافقین کے متعلق آیا ہے۔

لا اِلیٰ ھؤلاءِ ولا الی ھؤلاء. اور یہ منافق نہ ان (مسلمانوں) کے ہمراہ ہیں اور نہ اُن (کافروں) کے ساتھ۔

سو درحقیقت اگر ایمان ہے تو پھر کفر سے بیزاری کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اور اس بیزاری کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے دل سے بھی کفر سے نفرت کرے اور اس کا جسم و عمل بھی گواہی دے کہ یہ شخص کفر سے بیزار ہے۔

اس لیے چاہیے کہ مسلک اھل السنۃ والجماعۃ چھوڑا نہ جائے اور اہل باطل کے دین و بدعت کا تحریری اور تقریری طور پر ردّ کیا جائے تا کہ مخلوق خدا گمراہی سے باز رہے۔

✵......✵......✵......✵
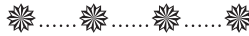
بیاد

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بمقام جامعہ گلشن امام اعظم ابوحنیفہ پنڈی بھٹیاں

کورس کا مقصد اھل السنۃ والجماعۃ کے حوالہ سے طلبہ کی ذہن سازی اور دور حاضر کے فتنوں کی نشاندہی۔ تحریک خدام اھل السنۃ والجماعۃ کے مرکزی قائدین، مبلغین اور امین ملت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے معروف تلامذہ مختلف اوقات میں پڑھائیں گے۔ یومیہ دس گھنٹے میں پڑھائی ہوگی اور دو گھنٹے مہتمم ادارہ مولانا سید عصمت شاہ کاظمی صاحب خود پڑھائیں گے۔ پہلے سے موبائل پر اپنا نام و پتہ درج کرائیں تا کہ ادارہ آسانی سے آپ کی خدمت سرانجام دے سکے۔

برائے رابطہ: سید اشتیاق حسین کاظمی

موبائل نمبر: 0334-6362404

ناظم جامعہ گلشن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا روڈ بائی پاس پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد۔

قسط ②

تفہیم الفرقان

مفتی محمد سعید خان

دلیل نمبر ③

ہمارے مؤقف ـــــ موجودہ قرآن کریم کی ترتیب وہی ہے جو بحکم الٰہی، حضرت صاحب الوحی والرسالۃ علیہ الصلاۃ والسلام والتسلیمات نے طے کی تھی ـــــ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ قرآن کریم میں ترتیب سور میں کچھ ترتیب تو بحکم الٰہی، حضرت رسالت مآب ﷺ کی ہے اور کچھ ترتیب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد ہے (جیسا کہ امت کے بعض اہل علم کا مؤقف ہے) یا یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تمام سور قرآنی کی ترتیب اس قرن اولیٰ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد ہی ہے، تو ان دونوں سورتوں میں اتنی بات تو بالکل ظاہر ہے کہ وہ مصحف جو زید رضی اللہ عنہ نے ترتیب دیا تھا اور پھر اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری اُمت میں تقسیم کروایا تھا، اس مصحف پر تو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا تھا۔ اس وقت کے تمام افراد و قبائل نے اس مصحف کو قبول کر لیا تھا تو اس میں بھی تو ترتیب سور وہی تھی جو کہ آج کل ہمارے ہاتھوں میں موجود قرآن کریم کی سور کی ہے۔

سو جب اُمت نے اس مصحف پر اتفاق و اجماع کر لیا تو کیا اب قیامت تک کسی کے لیے یہ درست ہے کہ اس اجماع کو توڑ دے اور کسی نئی ترتیب کی دعوت دے، اس ترتیب کے علاوہ کسی ترتیب پر قائم رہنا تو دورِ عثمانی ہی میں ختم ہوگیا تھا، اب اس دور میں تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کی ایک اپنی ترتیب تھی اور جب خلیفۂ وقت امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موجودہ مصحف پر اُمت کو جمع کر دیا تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی تحریر فرمایا کہ:

وہ اپنے مصحف کی ترتیب کو ختم کر کے اسی مصحف کی طرف لوٹیں جس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اجماع کرلیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نہایت دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اپنے تردّد اور اصرار کو چھوڑ کر اسی ترتیب کو قبول فرمالیا جو خلافت کی طرف سے جاری کردہ قرآن کریم میں تھی اور ''عرضہ اخیرہ'' میں جسے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو مرحمت فرمایا تھا۔[1]

حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مصحف کی ترتیب سے رجوع فرمالیا تھا اوراس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک اس مصحف عثمانی کی ترتیب میں کوئی بھی قابل اعتراض بات ہوتی تو وہ اپنے دور خلافت میں اس اعتراض کو ضرور دور فرماتے اگرچہ اس کاوش میں ان کی جان ہی چلی جاتی۔ لیکن وہ ہمیشہ مصحف عثمانی ہی پر قائم رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اس ابتدائی دور میں مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خود اپنی مرضی اوراجتہاد سے، خود اپنی سہولت کے لیے اگرچہ قرآن کریم کے بعض نسخے عجمی طور پر مختلف غلاموں سے لکھوا لیے تھے لیکن جب خلافت کا رقبہ اور آبادی بڑھی اور ہر طرف سے قرآن کریم طلب کیا جانے لگا۔ تو اب ضرورت پیش آئی کہ اس نسخے کو عام کیا جائے جو ''عرضۂ آخیرہ'' کے مطابق تھا اوراس میں پہلے تین خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی کاوشیں شامل تھیں چنانچہ

---

[1] وقد روى عن ابن مسعود أنه تعتب لما أخذ منه مصحفه فحرق، وتكلم في تقدم إسلامه على زيد بن ثابت الذي كتب المصاحف، وأمر أصحابه أن يغلوا مصاحفهم، وتلا قوله تعالى (ومن يغلل بما غل يوم القيامة)فكتب إليه عثمان رضي الله عنه يدعوه إلى اتباع الصحابة فيما أجمعوا عليه من المصلحه في ذلك، وجمع الكلمة، وعدم الاختلاف، فأناب وأجاب إلى المتابعة وترك المخالفة رضي الله عنهم أجمعين.(البداية والنهاية، سنة خمس وثلاثين وفيها قتل عثمان بن عفان رضي الله عنه، الفصل :فصل في طائفة من مناقبه، ج:٧، ص:٢١٧).

وہی نسخہ اس وقت خلافت کی طرف سے عام ہوا، اور اب تک اُمت اسی پر متفق ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے۔ شیخ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسی وزنی بات تحریر فرمائی ہے۔[1]

> اس بحث سے ہٹ کر سور قرآنی کی ترتیب منجانب اللہ تھی یا اجتہاد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بنا پر تھی، اب یہ ضروری ہے کہ ہم اس ترتیب کو قائم رکھیں، اور خاص طور پر جب قرآن لکھا جائے تو اس ترتیب کا قائم رکھنا تو اور بھی ضروری ہے اس لیے کہ اس ترتیب پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور ان کا اجماع دین کی بہت بڑی دلیل (حجۃ) ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے اجماع کو توڑے گا تو وہ ایک فتنہ برپا کرے گا اور یہ بھی ایک دلیل ہے کہ جو عمل فتنوں کو جگانے اور اُمت میں فساد پیدا کرنے کا سبب بنے، تو ایسے عمل سے ہمیشہ بچنا ضروری ہے۔

یہ ہے ہمارے مؤقف کی تیسری دلیل، اس بحث کا اصل میدان تو علوم القرآن ہے لیکن بعض وجوہ سے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس بحث کو اختصاراً کچھ نہ کچھ یہاں بھی نمٹا لیا جائے۔

دوسرا سوال اسماء سور؟ دوسرا سوال ــــــ جس کا اصل تعلق تو علوم القرآن سے ہے ــــــ یہ اُٹھتا ہے کہ سُوَرِ قرآنی کے اسماء کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیے گئے ہیں یا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعین فرما دیا تھا یا الفاظ دیگر یہ اسماء توفیقی ہیں یا یہ کہ قرآن کریم کی مختلف سورتوں کے نام رکھنے کا حق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والی اُمت کو حاصل ہے اور سورتوں کے نام تجویز کرنا، ایک

---

[1] وسواء أكان ترتيب السور توقيفياً أم اجتهادياً فانه ينبغي احترامه، خصوصاً في كتابة المصاحف، لأنه عن إجماع الصحابة، والإجماع حجة، ولأن خلافه يجرُّ إلى الفتنة، ودرء الفتنة وسد ذرائع الفساد واجب. (مناهل العرفان، المبحث التاسع فى ترتيب آيات القرآن وسوره، احترام هذا الترتيب، ص: ٣١٩).

امر اجتہادی ہے۔

علماء اُمت کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کے نام توفیقی ہیں اور اجتہادی طور پر سورتوں کے نام تجویز نہیں کیے گئے امام بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی المتوفی (۷۹۴ھ-۷۴۵ھ) رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تو یہ ہے کہ [۱]

> اور یہ بحث کرنا بھی مناسب ہے کہ قرآنی سورتوں سورتوں کے نام متعدد نام کیوں ہیں کیا یہ توقیفی ہیں یا پھر جس سورت میں جو مضمون آیا ہے اس مناسبت سے یہ نام رکھے گئے ہیں۔ اگر ہم دوسرا مؤقف لیتے ہیں تو پھر ہر سورت میں متعدد علوم ومعانی مل جاتے ہیں اس طرح ہر ذہین میں انسان ہر سورت کے معانی اور علوم کے تقاضے کے مطابق ہر سورت کا ایک نام تجویز کر سکے گا اور یہ مؤقف صحیح راہ سے دور ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف بھی یہی ہے فرماتے ہیں: [۲]

اور یہ بات طے ہے کہ قرآنی سورتوں کے نام احادیث اور آثار پر ہی مؤقوف ہیں اور اگر اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ یہ بحث طوالت اختیار کرے گی تو میں یہ مؤقف مزید واضح طور پر تحریر کرتا۔

دوسرا مؤقف علماء اُمت کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں کے نام اجتہادی ہیں اور یہی مؤقف

---

[۱] وينبغي البحث عن تعداد الأسامي : هل هو توقيفي أو بما يظهر من المناسبات ؟فإن كان الثاني فلن يعدم الفطن أن يستخرج من كل سورة معاني كثيرة تقتضي اشتقاق أسمائها وهو بعيد .(البرهان النوع الرابع عشر ، خاتمه في تعداد اسماء السور، ج:١، ص:٢٧٠)

[۲] وقد ثبت اسماء السور بالتوقيف من الأحاديث والآثار، ولو لا خشية الإطالة لبينت ذلك (الاتقان، النوع السابع عشر في معرفة اسماء سوره ، فصل في اسماء السور، ج:١، ص:١٨٦)

زیادہ درست ہے۔اس کے زیادہ درست ہونے کی پہلی دلیل تو یہ ہے کہ

(ا) اہل عرب کا کسی بھی چیز یا واقعے کا نام رکھنے کا ایک اپنا انداز تھا۔اور وہ یہ کہ وہ جب بھی کسی چیز میں ندرت یا اُس میں کوئی خاص بات پاتے تھے،تو پھر اس چیز یا واقعے کو اسی خاص بات کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔مثلاً سورۂ بقرہ میں گائے کا قصہ آیا پھر گائے کی پرستش اور اس کے متعلق مختلف باتیں آئیں،جن کا گائے میں ہونا بہت عجیب تھا تو پھر اس سورت کو گائے کے نام سے معنون کر دیا گیا۔سورۂ النساء میں چونکہ بار بار عورتوں کا تذکرہ اور ان سے متعلقہ احکامات کا تذکرہ آیا،تو اس سورت کو اجتہادی طور پر سورۃ النساء یعنی عورتوں سے متعلق احکامات و واقعات کی سورت قرار دے دیا گیا۔ایسے ہی قرآن کریم کی چونکہ اور کسی سورت میں مائدۃ (دستر خوان) کا تذکرہ نہیں ملتا اور وہ صرف یہیں پر ہے تو اس سورت کا نام ''سورۃ المائدۃ'' رکھ دیا گیا۔عربوں کا اور پھر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تبع تابعین رحمہم اللہ تک سب کا مزاج آپ یہی پائیں گے کہ وہ قرآن کریم کی کسی بھی سورت کا نام انہی مناسبات کی وجہ سے تجویز کرتے رہے۔اور یہ تمام ناموں کا انتخاب اور تعین ان کا اپنا اجتہاد تھا نہ کہ وحی الٰہی نے انہیں کسی اصول اور قاعدے کا پابند بنایا تھا۔

(ب) کتاب وسنت اور آثار میں ہمیں کوئی روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تمام قرآنی سورتوں کے نام حتمی قرار دے دیئے ہوں اور یا پھر اس بات ہی سے منع فرما دیا ہو کہ ان ناموں کو رکھا جا رہا ہے اور کسی کو بھی اجتہادی طور پر یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی بھی سورۂ مبارکہ کا نام خود سے تجویز کر سکے۔

بلکہ اس کے برعکس متعدد روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ جس طرح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کے نام تجویز فرمائے ہیں،حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے ہی اپنے اجتہاد سے مختلف سورتوں کے مختلف نام تجویز فرمایا کرتے تھے۔اس بات پر نہ تو کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کسی اور کو ٹوکتا تھا اور نہ ہی کوئی شخص

نام رکھنے میں کوئی دشواری یا قباحت خیال کرتا تھا۔ بات اس سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے اور قرآنیات ہی کی مستند کتابوں میں یہ بھی بآسانی ملتا ہے کہ حضرات تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس لیے اگر یہ معاملہ توقیفی ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر سلف صالحین، تبع تابعین رحمہم اللہ تک کوئی تو ان اجتہادی ناموں پر نکیر کرتا۔ لیکن معاملہ ایسے نہیں ہوا اس لیے یہ مؤقف صحیح تر معلوم ہوتا ہے کہ سورِ قرآنی کے اسماء اجتہادی ہیں۔

(ج) سورۃ التوبہ قرآن کی مشہور سورت ہے اور جتنے بھی مصاحف اب طبع ہوتے ہیں، ہر ایک میں اس سورۂ مبارکہ کا یہی نام ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی سورت کا نام ''سُوْرَۃُ الْفَاضِحَۃ'' تجویز فرمایا۔ ان کے شاگرد حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ [1]

> میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ کیا سورۂ توبہ؟ تو انہوں نے فرمایا سورۂ توبہ کیا؟ وہ سورۂ فاضحہ (رسوا کر دینے والی) ہے۔ وہ تو برابر اس بیان میں نازل ہوتی رہی کہ فلاں گروہ ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوچا کہ شاید اب کوئی گروہ ایسا باقی نہیں رہے گا جس کی رسوائی اس سورت میں نہ کر دی جائے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ توبہ کا نام سورۂ فاضحہ رکھا۔ اسی مقام پر اگلی روایت دیکھیں تو حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اٹھائیسویں پارے کی مشہور سورت ''سورۃ الحشر'' کا تذکرہ کرتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورۂ حشر نہیں بلکہ ''سورۃ

---

[1] عن سعید بن جبیر قال : قلت لابن عباس سورة التوبة؟ قال التوبة هي الفاضحه ، مازالت تنزل : ومنهم، حتى ظنوا أنها لم تبق أحدا منهم إلا ذكرفيها.(صحيح بخارى، كتاب التفسير، ٥٩ ، سورة الحشر، رقم الحديث :٤٨٨٢، ج:٦، ص:٦٨).

بنی النضیر'' ہے۔

فردوس الاخبار میں حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں سورۂ بقرہ کا نام فسطاط القرآن آیا ہے۔[1]

اس سلسلے میں کچھ تفصیلات علامہ عبدالرؤف المناوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فیض القدیر'' جو کہ درحقیقت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الجامع الصغیر'' کی شرح ہے، میں حرف السین، رقم الحدیث:۴۸۴۱، ج:۴، ص:۱۴۹ کے ضمن میں تحریر کی ہیں، جنہیں اصل کتاب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔[2]

(د) حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم بھی مختلف سورتوں کے نام تجویز فرمایا کرتے تھے چنانچہ سنن سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ میں آتا ہے کہ حضرت ابوعطاف ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، سورۂ ال عمران کے متعلق یہ بتاتے تھے کہ تورات میں اس سورت کا نام سورۂ طیبہ تھا۔[3]

اب تورات میں یہ سورت کس طرح سے واقع تھی اس کی تحقیق نہیں مل سکی، ہوسکتا ہے کہ وہاں کی تیسری سورت کا نام سورۂ طیبہ ہو اور یہاں قرآن کریم میں تیسری سورت کا نام ال عمران ہے۔ یا پھر یہ کہ اس سورۂ ال عمران کے مضامین کو اس سورۂ طیبہ کے مضامین سے کوئی مناسبت ہو۔ بہرحال وہ سورۂ ال عمران کا ایک اور نام، تورات کے حوالے سے سورۂ طیبہ ذکر کرتے ہیں۔

التحبیر فی علم التفسیر میں حضرت امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خالد

---

[1] أبو سعيد: السورة التي تذكر فيها البقرة فسطاط القرآن فتعلموها فإن تعلمها بركة وتركها خسرة لا يستطيعها البطلة. (باب السين، ذكر الفصول من أدوات الألف واللام، فصل، رقم: ٣٣٧٦).

[2] الجامع الصغير، حرف السين، رقم الحديث: ٤٨٤١، ج:٤، ص:١٤٩

[3] عن أبي عطاف قال: اسم آل عمران في التوراة: طيبة. (تفسير ال عمران، رقم الحديث:٥٥٣، ج:٣، ص:١١٣٨).

بن معدان رحمۃ اللہ علیہ سورۂ بقرہ کو فسطاط القرآن کے نام سے یاد کرتے تھے۔[1]

یہ حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ اہل شام کے امام اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف، صاحب کرامت تابعین میں سے تھے۔[2] روزانہ تلاوت قرآن کریم کے علاوہ چالیس ہزار مرتبہ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔

چنانچہ روزے ہی کی حالت میں ۱۰۳ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو انہیں غسل کے لیے تخت پر لٹایا گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ہاتھ کی وہ انگلی جس سے تسبیح پڑھا کرتے تھے، تسبیح پڑھنے ہی کی طرح اب بھی حرکت کر رہی تھی۔[3] یہ ان کی کرامت تھی۔ اب یہ سورۂ بقرہ کا نام "فسطاط القرآن" کیوں تجویز فرماتے تھے؟ شاید اس لیے کہ انہیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پہنچی تھی جس کا تذکرہ ص ـــــ پر گذر چکا ہے، یا یہ کہ اس زمانے میں سورۂ بقرہ کا ایک یہ نام بھی مشہور ہوگا۔ واللّٰہ اعلم بحقیقة الحال.

(ھ) یہ مؤقف کہ ـــــ اسماء سور توفیقی نہیں بلکہ اجتہادی تھے ـــــ کہ تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تبع تابعین بھی سور قرآنی کے نام تجویز فرمایا کرتے تھے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ۹۴ھ میں ہوئی تھی اور یہ وہ دور تھا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور

---

[1] وسمى خالد بن معدان البقرة : فسطاط القرآن. (النوع الخامس والتسعون تسمية السور، ص:٣٦٩).

[2] أدركت سبعين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم. (سير أعلام النبلاء، رقم: ٢١٦، ج:٤، ص:٥٣٨)

[3] عن سلمة بن شبيب، قال كان خالد بن معدان يسبح في اليوم أربعين ألف تسبيحة سوىٰ ما يقرأ من القرآن؛ فلما مات، فوضع على سريره ليغسل، جعل بأصبعه كذا يحركها يعني بالتسبيح. (ايضاً، ص: ٥٤٠) (ايضاً ص:۵۳۶تا۵۴۱)۔

کا سورج غروب ہو رہا تھا، اس لیے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی بھی زیارت نہ کر سکے تھے، کہ انہیں تابعیت کا مقام مل جاتا لیکن انہوں نے تابعین رحمہم اللہ کا دور بھرپور طریقے سے دیکھا اور بکثرت نہ صرف یہ کہ ان کی زیارت کی بلکہ ان کے ہوتے ہوئے ہی مرتبہ امامت پر فائز ہو گئے اس لیے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین میں سے تھے، وہ قرآن کریم کی سورۃ الشعراء کا نام ''سورۃ الجامعہ'' تجویز فرماتے تھے۔[1] اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تبع تابعین بھی اسماء سور تجویز فرماتے تھے۔

حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۷ھ۔۱۹۸ھ) کے مقام کا کیا کہنا، امام شافعی اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر آئمہ ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ اپنے درجے کے اعتبار سے وہ تبع تابعین میں سے تھے۔ اور انہوں نے ''سورۃ الفاتحہ'' کا نام ''الوافیہ'' رکھا تھا۔[2]

ایسے ہی یحیٰ بن کثیر بن درھم العنبری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ۳۰۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔ اور اس سے پہلے جو ان کی زندگی کا دور ہے تو وہ تابعین عظام رحمہم اللہ کے عروج کا دور ہے۔ عالم اسلام کے ایک ایک شہر میں وہ ہزاروں کی تعداد میں حیات تھے اور یہ ہمارے ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے بکثرت ان کی زیارت کی ہے۔ یہ سورۃ الفاتحہ کا نام ''سورۃ الکافیہ'' تجویز فرماتے تھے۔[3]

اب تبع تابعین میں ایسے ثقہ، متدین، امام حدیث اور کتاب وسنت پر گہری نظر رکھنے والے افراد بھی جب مختلف سورتوں کے نام اجتہادی طور پر تجویز فرما دیا کرتے تھے، تو یہ ہمارے مؤقف ہی کی دلیل ہے

---

[1] ووقع في تفسير مالك المروي عنه تسميتها : سورة الجامعة،تفسير ابن كثير، سورة الشعراء، ج:٤،ص:٦١٨.

[2] وسمى سفيان بن عيينة: الفاتحه ، الوافيه ، التحبير فى علم التفسير للسيوطي، النوع الخامس، والتسعون،ص:٣٢٩.

[3] وسماها يحيى بن أبي كثير :الكافية ، لأنها تكفي عما عداها.(أيضاً)

کہ اسماء سور قرآنی توقیفی نہیں، اجتہادی ہیں۔

اب اس بحث کے آخر پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو فوائد بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

① پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا بحث سے جب یہ معلوم ہو چکا کہ سورتوں کے نام اجتہادی ہیں تو اب مختلف سورتوں کے جو نام مفسرین نے تحریر فرمائے ہیں ان کی بھی ایک فہرست دے دی جائے۔

① سورۃ الفاتحہ ——— اس سورۂ مبارکہ کے، اس نام کے علاوہ مزید ستائیس نام ہیں، جن کی تفصیل ہم نے ذکر کر دی ہے۔

② سورۃ البقرہ اور سورۂ ال عمران دونوں کو ملا کر ان کا ایک نام صحیح حدیث میں الزھراوین آیا ہے۔

③ سورۃ ال عمران ——— سورۃ طیبہ

④ سورۃ النساء ——— سورۃ النساء الطّولی

⑤ سورۃ المائدۃ ——— سورۃ العقود

⑥ سورۃ الانفال ——— سورۃ بدر

⑦ سورۃ التوبہ ——— (۱) سورۃ براۃ (۲) سورۃ الفاضحہ (۳) سورۃ المُنَقِّرَۃ

⑧ سورۃ النحل ——— سورۃ النعم

⑨ سورۃ بنی اسرائیل ——— (۱) سورۃ الاسراء (۲) سورۃ سبحان

⑩ سورۃ مریم ——— سورۃ کھیعص

⑪ سورۃ طہ ——— سورۃ موسیٰ علیہ السلام

⑫ سورۃ المومنون ——— سورۃ قد افلح المومنون

⑬ سورۃ النمل ——— سورۃ سلیمٰن

(جاری ہے)
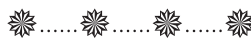
ٹی۔وی چینل

(T.V CHANEL)

جواز یا عدم جواز

مفتی محمد سعید خان

کیا اس دور میں علماء اھل السنۃ والجماعۃ کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اس مسلک حقہ کی تبلیغ کے لیے ایک اپنا ٹی وی چینل (T.V Chanel) قائم کریں؟

اس سوال کے جواب میں بہت سے علماء اھل السنۃ والجماعۃ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور بہت سے علماء اھل السنۃ والجماعۃ اس کے مخالف بھی ہیں۔ دونوں طرف اہل حق ہیں اور ہر کوئی اپنے مؤقف کی تصحیح کے لیے دلائل بھی پیش کرتا ہے۔

جو علماء کرام حفظہم اللہ ٹی وی چینل (T.V Chanel) کے سخت مخالف اور تصویر کی وجہ سے اسے حرام قرار دیتے ہیں، ممکن ہے، امت مسلمہ کے ایک گروہ کا تعامل ان کی نظر سے نہ گذرا ہو۔ کیا ہی اچھا ہو کہ وہ اس پر بھی غور فرمالیں۔

علماء اھل السنۃ والجماعۃ رحمہم اللہ کے تعامل کا مسئلہ یہ ہے کہ تاریخ سے واقف ہر شخص یہ جانتا ہے کہ مسلمانوں نے سپین (Spain) پر تقریباً آٹھ سو برس تک کی حکومت کی اور وہاں مکمل طور پر فقہ مالکی رائج رہا۔ امیر المؤمنین اور قاضی القضاۃ سے لے کر مملکت کا ایک عام شہری تک اس فقہ پر عمل کرتا تھا اور ملک وقوم کے فیصلے بھی اس فقہ کی روشنی میں کیے جاتے تھے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اپنے حکمرانوں سے قریب اور ان کے رویے سے واقف ہوتے چلے

گئے اور آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں سے حکمرانوں کا وہ رعب و دبدبہ نکلتا چلا گیا جو زمانۂ سابق میں ہوا کرتا تھا۔ ائمہ اور قضاۃ کے رعب کی کمی سے یہ نقصان ہوا کہ لوگوں نے قانون پر عمل ترک کر دیا اور معاشرے میں لاقانونیت پھیلنے لگی۔

لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں اور عدلیہ کی عظمت رفتہ کو کیسے واپس لایا جائے؟ اس دور کے فقہاء اور اہل علم نے اس مسئلے پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ولاۃ الامر (حکمرانوں) اور قضاۃ کے مجسمے بنائے جائیں اور جگہ جگہ چوراہوں پر یہ مجسمے اور بت نصب کیے جائیں تا کہ بر سر عام شاہراؤں پر جب لوگ ان بتوں اور مجسموں کو دیکھیں تو ان کے دلوں میں حکمرانوں اور قاضیوں کی عظمت پیدا ہو۔ اور یہ عظمت عوام کو قانون کی پابندی پر آمادہ کرے۔

اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کے پیش نظر یقیناً وہ تمام روایات رہی ہوں گی جن میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجسمہ سازی اور بت گری سے سختی سے منع فرمایا ہے لیکن اس دور اور پیدا شدہ صورتحال کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان احادیث وروایات کے باوجود مجسمہ سازی اور بت گری کے جواز کا فتویٰ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ملکی مصالح کی خاطر یہ فتویٰ دیا اور مجسمہ سازی و بت گری کو حرام قرار دینے کی بجائے مندوب[1] (مستحب) یعنی قابل ثواب قرار دیا۔ انہوں نے بتایا کہ دنیا کے حالات جب بدل جاتے ہیں تو فتویٰ بھی بدل جایا کرتا ہے۔ وقت اور معاشرے کی تبدیلی، فتویٰ میں تبدیلی کی گنجائش پیدا کرتی ہے۔

حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مدینہ طیبہ میں رہن سہن بالکل سادہ اور معمولی تھا۔ پھر جب وہ شام تشریف لائے تو وہاں کے امیر حضرت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ انہوں نے اپنے اور عوام کے درمیان فاصلہ رکھا ہوا تھا۔ ان کے ہاں باقاعدہ پردے لٹکائے جاتے تھے اور عوام کو

---

[1] والمندوب: وهو ما يثاب على فعله ويعاقب على تركه (انیس الفقهاء للروی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فالاحكام سبغة، ص:٣٢).

حکمرانوں سے کچھ فاصلے پر رکھا جاتا تھا۔حکمرانوں کی سواریاں بہت اعلیٰ درجے کی اوران کا لباس بھی، لباس فاخرہ، ہوتا تھا۔طرز حکمرانی بھی بادشاہوں جیسا تھا۔

اس پر امیرالمؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے باز پرس فرمائی کہ میں یہ سب کیا دیکھ رہا ہوں؟ تو انہیں بتایا گیا کہ یہاں شام میں چونکہ ہمارا مقابلہ عیسائیوں اور دیگر اقوام سے ہے،تو اس لیے اسی شان سے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ ہماری ضرورت ہے اس پر حضرت امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لا امرك و لا انهاك (معاویہ رضی اللہ عنہ) نہ تو میں آپ کو یہ حکم دیتا ہوں کہ یہ سب کچھ کیا کریں اور نہ ہی اس سے منع کرتا ہوں۔

مراد یہ تھی کہ حالات کو دیکھ کر جو بھی مناسب فیصلہ ہو کر لیا جائے۔

ان فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مجسمہ سازی اور بتوں کو نصب کرنے کی دوسری دلیل یہ دی کہ نماز تراویح، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلیفہ سیدنا ابی بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی پڑھی جاتی تھی لیکن وقت کے ساتھ یہ تبدیلی آئی کہ دور فاروقی میں تمام لوگ اسے باجماعت ادا کرنے لگے تو ایسے ہی ہم سے پہلے دور میں عام راستوں پر ان مجسموں کو نصب کرنے کی ضرورت نہ تھی چونکہ ہمارے دور میں یہ ضرورت ہے، اس لیے ہم اس کو اختیار کر رہے ہیں۔

پھر انہوں نے اس کی ایک تیسری دلیل بھی دی کہ دیکھو حضرت امیرالمؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خود تو نان جویں (جو کی روٹی) اور نمک سے کھانا کھا لیا کرتے تھے۔لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ تمام لوگ اس سادگی سے زندگی بسر نہیں کرسکیں گے اس لیے انہوں نے اپنی خلافت کے اہل کاروں (عاملین) کے لیے روزانہ آدھی بکری کا گوشت، کھانے کے لیے متعین فرمایا۔وہ جانتے تھے کہ عام لوگ اگر اپنے حکمرانوں کو جو کی روٹی اور نمک کھاتا دیکھیں گے تو انہیں غریب جانیں گے اور اس طرح خلافت کا جو ایک رُعب عوام کے دلوں میں ہونا چاہیے، وہ نکل جائے گا۔

مجسمہ سازی اور بت گری کے حق میں دلائل دینے والے، یہ فقہاء کرام رحمہم اللہ کوئی معمولی مفتی یا فقیہہ نہ تھے، یہ امام قرافی اور امام شاطبی رحمہم اللہ جیسی شخصیات تھیں۔ حضرت الامام ابو العباس احمد بن ادریس القرافی المتوفی ۶۸۴ھ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔[1]

(القسم الثالث)من البدع مندوب إليه، وهو ما تناولته قواعد الندب ، وأدلته من الشريعة كصلاة التراويح، و إقامة صور الأئمة والقضاء ، وولاة الأمور على خلاف ما كان عليه أمر الصحابة بسبب أن المصالح ، والمقاصد الشرعية لا تحصل إلا بعظمة الولاة في نفوس الناس، وكان الناس في زمن الصحابة معظم تعظيمهم إنما هو بالدين ، وسابق الهجرة ، ثم اختل النظام وذهب ذلك القرن ، وحدث قرن آخر لا يعظمون إلا بالصور فيتعين تفخيم الصور حتى تحصل المصالح، وقد كان عمر يأكل خبز الشعير والملح ويفرض لعامله نصف شاه كل يوم لعلمه بأن الحالة التي هو عليها لو عملها غيره لهان في نفوس الناس.ولم يحترموه ، وتجاسروا عليه بالمخالفة فاحتاج إلى أن يضع غيره في

تیسری قسم کی بدعات وہ ہیں جو کہ مستحب ہیں اور یہ وہ بدعات ہیں جو کہ کسی فعل کو مستحب قرار دینے کے اصولوں پر پوری اترتی ہیں۔ شریعت میں ان مستحب بدعات کی ایک مثال تراویح کی جماعت بھی ہے اور اپنے دور کے حکمرانوں اور قضاۃ کی تصاویر بنانا بھی ہے۔ اور یہ تصاویر بنانا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ لیکن ان آئمہ اور قضاۃ کی اقامت صور میں مصلحت یہ ہے کہ کسی بھی مملکت میں نظم و نسق جیسے مقاصد شرعیہ اسی وقت حاصل کیے جاسکتے ہیں، جب حکمرانوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہو۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں عظمت لوگوں کے دلوں میں اس وجہ سے تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت پر مضبوطی سے عمل پیرا تھے اور انہوں نے ہجرت میں بھی پہل کی تھی لیکن ان کے جانے کے بعد آنے والے دور میں حکومت کا نظام بگڑ گیا اور وہ دور بھی آ گیا۔ پھر ایسا

---

[1] الفروق ، الفروق لثانی والخمسون والمائتان بین قاعدہ بین قاعدہ ما یحرم من البدع ، وینھی عند ، وبین قاعدہ مالاینھی عنہ منھا. ج:٤، ص:٣٤٦.

صورة أخرى لحفظ النظام ولذلك لما قدم الشام، ووجد معاوية بن أبي سفيان قد اتخذ الحجاب وأرخي الحجاب، واتخذ المراكب النفسية والثياب الهائلة العلية، وسلك ما يسلكه الملوك، فسأله عن ذلك فقال: أنا بأرض نحن فيها محتاجون لهذا، فقال له؛ لا أمرك ولا أنهاك، ومعناه أنت أعلم بحالك. هل أنت محتاج إلى هذا، فيكون حسناً أو غير محتاج إليه؟ فدل ذلك من عمر وغيره على أن أحوال الائمة، وولاة الأمور تختلف باختلاف الأعصار والأمصار والقرون والأحوال، فلذلك يحتاجون إلى تجديد زخارف وسياسات لم تكن قديماً، وربما وجبت في بعض الأحوال.

دور آیا جس میں لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت اس وقت تک نہیں بٹھائی جاسکتی تھی جب تک کہ ان کے مجسمے نہ بنائے جائیں۔تو یہ طریقہ طے کر لیا گیا کہ مصالح حاصل کرنے کے لیے یہ تصاویر (بت) بنائی جائیں۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے برعکس اس طرز عمل کو یوں ہی سمجھنا چاہیے جیسے کہ حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جَو کی روٹی اور نمک سے کھانا کھالیتے تھے۔لیکن انہوں نے اپنے عاملین کے لیے روزانہ ایک خوراک آدھی بکری مقرر کی تھی۔کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس طرح کی سادہ زندگی خود ان کی اپنی ہے، اگر دوسرے امراء کی زندگی بھی ایسی ہی سادہ ہوگی تو رعایا کے دلوں سے ان حکمرانوں کی ہیبت نکل جائے گی۔اور وہ اپنے حکمرانوں کا احترام نہیں کریں گے بلکہ ان کی مخالفت کی جسارت بھی کرنے لگیں گے۔تو حکومتی نظام بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ حکمرانوں کا رعب کوئی اور صورت اختیار کرکے لوگوں کے دلوں میں قائم کیا جائے۔

پھر یہی وجہ تھی کہ جب آپ شام تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار ملاحظہ فرمایا۔ انہوں نے اپنے اور رعایا کے درمیان فاصلے کے لیے پردے لٹکا رکھے تھے۔ان کی سواری کے جانور بہت عمدہ اور بڑھیا تھے۔ان کا لباس بھی لباس فاخرہ تھا اور ان کا طرز زندگی ایسا تھا جیسا کہ بادشاہوں کے طور طریقے ہوتے ہیں۔تو آپ نے ان سے اس طرز زندگی کی وجہ دریافت کی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امیر المؤمنین ہم جس سرحدی علاقے (شام) میں رہ رہے ہیں، یہاں اس طرز زندگی کو رکھنے کے محتاج ہیں۔آپ نے ارشاد فرمایا: نہ تو میں یہ حکم دیتا ہوں کہ اس طریقے کو قائم رکھا جائے اور نہ میں اس سے منع کرتا ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ، اپنے حالات کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ یہ طرز زندگی آپ کے لیے زیادہ بہتر ہے یا یہ کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اور حکمرانوں کے یہ واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ جب وقت بدل جائے یا مختلف ملک ہوں یا پھر حالات میں تبدیلی آجائے یا دو زمانوں کے درمیان صدیوں کا فرق پڑ جائے تو طرز حکمرانی کا مختلف ہونا ضروری ہے۔اور اسی وجہ سے ان کو یہ ضرورت پیش آئی کہ ان رخارف (مجسموں، بتوں، مورتیوں)اور تدابیر نافعہ کو نئے سرے سے زندہ کیا جائے، جو کہ اس سے پہلے اسلام کے دور میں نہیں تھیں (بلکہ زمانہ کفر میں تھیں)اور بعض اوقات تو حالات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ ان اقدامات کو کرنا محض مستحب ہی نہیں، واجب قرار دیا ہے۔

ان ائمہ کرام رحمہم اللہ کے مؤقف کے بعد امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۹۰ھ کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو،جس میں انہوں نے ائمہ،قضاۃ اور ولاۃ الامور کے مجسموں کی تنصیب کو بدعت قرار نہیں دیا۔[1]

وأما إقامة صور الائمة والقضاة وولاة الأمر على خلاف ما كان عليه السلف فقد تقدم أن البدعة لاتتصور هنا، وذلك صحيح ؛ فإن تكلف أحد فيها ذلك فيبعد جداً.

اور جہاں تک تعلق ہے حکمرانوں،قاضیوں اور حکومت سنبھالنے والے افراد کے مجسمے کھڑے کرنے کا تو یہ طریقہ اسلاف کے اگرچہ خلاف تھا لیکن یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ اس کام کو بدعت نہیں تصور کیا جائے گا اور یہی بات صحیح ہے۔اور اگر کوئی اس فعل کو بدعت کہے گا تو اُسے بہت دور کی کوڑی لانی پڑے گی۔

ان گذارشات کی روشنی میں اھل علم وحق میں سے جو علماء کرام رحمہم اللہ ٹی۔وی چینل (T.V Chanel) کے خلاف ہیں وہ غور فرمالیں کہ ان حالات میں چینل کا جاری کرنا ضروری ہے یا نہیں اور اگر اب بھی ضروری نہیں ہے تو پھر کب ضروری ہوگا؟اور اگر یہ علماء اھل السنۃ والجماعۃ کثر اللہ سوادھم یہ

---

[1] الاعتصام ، الباب السابع في الابتداع ، فصل أفعال المكلفين ، ج:٢، ص:٣٠٩.

کام نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟

مندرجہ بالا ''کتاب الفروق'' کا حاشیہ ''ادرار الشروق علی انواء الفروق'' کے نام سے امام ابو القاسم عبداللہ بن الشاط المتوفی ۷۲۳ھ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے لیکن انہوں نے اس مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ بھی امام قرافی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مؤقف کے قائل تھے یا یہ کم سے کم وہ اس مؤقف کے مخالف نہیں تھے کیونکہ جس شخص نے بھی اصل کتاب (الفروق) اور اس حاشیے (ادرار الشروق) کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ محشی کسی طرح ماتن کے بیان کردہ اصول وقواعد کی تشریح اور تنقید کرتے ہیں۔اگر وہ مخالف ہوتے تو اس مقام پر کچھ تو اظہار تکدّر کرتے۔

پھر ان دونوں کتابوں (متن اور حاشیہ) پر الشیخ محمد علی مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تہذیب الفروق والقواعد السنیۃ فی الاسرار الفقہیہ'' کے نام سے ایک عمدہ حاشیہ مزید تحریر فرمایا ہے لیکن وہ بھی اصل کتاب (الفروق) کی اس مکمل عبارت کو اپنے حاشیے میں نقل کر گئے ہیں اور کوئی ردّ یا تنقید نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس عبارت سے متفق تھے۔

موجودہ ذرائع ابلاغ میں اگر بات صرف اس حد تک محدود رہتی کہ اہل بدعت اپنی بدعات کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور یہ ذرائع اشاعت بدعت میں معاون ثابت ہو رہے ہیں تو چلیے پھر بھی کوئی بات تھی لیکن اب تو صورتحال یہ ہے کہ اہل بدعت نہیں اہل کفر اپنے کفر کو کھلم کھلا بیان کرتے ہیں اور اسلام کے نام پر کفر کی دعوت یعنی الحاد سے بڑھ کر زندقہ پھیلا رہے ہیں۔ہماری نئی نسلیں اس اسلام کو جاننے اور پھیلانے کا کام کر رہی ہیں جو اسلام انہیں میڈیا سے مل رہا ہے۔مغربی تہذیب سر چڑھ کر بول رہی ہے اور ٹی۔وی چینلز (T.V Chanles) اور انٹرنیٹ پر اسلام کی تشریح وہ کر رہے ہیں جو کتاب وسنت میں نسخ اور ترمیم واضافے کے بھی قائل ہیں اور حفاظت قرآن اور ختم نبوت جیسے قطعی عقائد کے بھی منکر۔

❋......❋......❋......❋
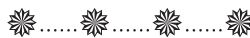
آخری قسط

زندگی کا مقصد کیا؟

مفتی محمد سعید خان

''اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم ہمیشہ محاذ جنگ پر ہو اور تمہارے چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں اور ان کے دل تمہاری تباہی کے خیال سے کبھی غافل نہیں رہتے۔''[1]

مومن کی تو تمام زندگی ہی محاذ جنگ ہے۔ داخلی اور خارجی دونوں میدانوں میں جہاد کا علمبردار انتھک مجاہد۔[2]

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں | خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں | کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

صلیبی جنگوں کے قائد (Hero) امت مسلمہ کی آبرو، بطل جلیل اور بیت المقدس کا فاتح سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ جہاد کی کوئی بھی تاریخ اس دل کش و من موہن عنوان کے بغیر ناقص اور ادھوری ہے۔ سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی حکومت تھی بیت المقدس کو کھوئے ہوئے اور شکست کھائے ہوئے ۹۰ برس کا عرصہ گذر چکا تھا وہ جو قبلہ اول تھا اذان کی آواز سے اس کے کان نا آشنا ہو چکے تھے کہ اچانک صلاح

---

[1] ابن اثیر۔

[2] کلیات اقبال، بانگ درا، زیر عنوان شکوہ، ص:۱۶۴۔

الدین ایوبی کو خلیفہ وقت نے مصر کی حکمرانی سونپ دی۔ جب وہ مصر پہنچے تو فرمایا۔

جب مجھے اللہ نے مصر دیا تو میں سمجھ گیا کہ اب مجھے فلسطین دینا بھی اللہ کو منظور ہے۔

کہاں لہو ولعب کی زندگی اور شراب کی مستی اور کہاں اب یہ حال ہوگیا کہ سب گناہوں سے منہ پھیر لیا اور جفاکشی کی زندگی اختیار کرلی۔ معرکہ حطین (۵۸۳ھ بمطابق ۱۱۸۷ء) جس نے فلسطین میں عیسائی حکومت کی جڑ اکھیڑ دی اور صلیبیوں کی کمر توڑ دی اس سے پہلے یہ حال ہے کہ ان کے سیکرٹری ابن شداد ''النوادر السلطانیہ'' میں لکھتے ہیں۔

میدان جنگ میں ان کی کیفیت ایسی دکھیا ماں جیسی ہوتی تھی جس کا اکلوتا بیٹا کہیں مرگیا ہو۔ وہ ایک صف سے دوسری صف تک اپنے گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے تھے۔ اپنی فوج میں بار بار چکر لگاتے اور فرماتے۔

یا للاسلام دوستو اسلام کو بچاؤ اس کی مدد کرو۔

اور یہ کہہ کر رو دیتے۔

اور پھر حطین کے بعد آخر وہ دن بھی آیا جس کی انہیں تمنا تھی جس وجہ سے انہیں اللہ نے چن کر مصر کی حکومت دی تھی بیت المقدس کو ۹۰ سال کے بعد جہاد برپا کر کے بزور شمشیر حاصل کرلیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تاریخ معراج تھی اور کبھی وہ آسمانوں کی بلندی طے فرمانے یہاں تشریف لائے تھے، حسن اتفاق کہ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی دن مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ جمعہ کی نماز ادا فرمائی اور ان کا چہرہ، داڑھی، سجدہ کی جگہ سب شکر اور خوشی کے آنسوؤں سے تر بتر تھی۔

بیت المقدس کی فتح اور معرکہ حطین کی شکست نے یورپ کے اوسان خطا کر دیئے۔ شام پر پورا یورپ حملہ آور ہوا۔ صلیبی جنگوں میں شرکت کے لیے قیصر، فریڈرک، رچرڈ، انگلینڈ، فرانس اور آسٹریا کے تمام

بادشاہ اپنی افواج سمیت بار بار آئے اور جس مرد آہن سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہے وہ ان سب کے مقابلے میں اکیلا تھا سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ۔

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سربجیب ، ایک کلیم سربکف

شام وحجاز مقدس سے ادھر نگاہ کیجیے تو یہ ہیں با مقصد زندگی گذارنے والے غوری اور غزنوی۔ سلطان شہاب الدین غوری کو جب پہلی جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے قسم کھالی کہ بستر پر نہیں سوئے گا اور جن سرداروں کی وجہ سے یہ ذلت کا دن دیکھنا پڑا تھا ان کے منہ پر گھوڑوں کے توبڑے چڑھوا دیے۔ پھر وہ غیرت تھی جس نے آئندہ برسوں میں اسے غور سے دہلی اور اجمیر تک حکمران بنا دیا۔ ہم نے جہاد کے فریضے سے کیوں منہ پھیر لیا ہے؟ کیا ہم ایسے ہوگئے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ط اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ.

(پارہ: ۱۰، س: توبہ، آیت ۳۸)

اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسے ہے تو پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیوی زندگی کا یہ تمام اسباب وسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔

یا ان میں شامل ہیں جن کی مذمت ایک دوسرے مقام پر یوں فرما کر کی گئی ہے۔ کہ

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ.

یہ لوگ (جہاد کو چھوڑ کر) گھر بیٹھنے والیوں (عورتوں) میں شامل ہو کر خوش ہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی

(پارہ : ۱۰ ،س:توبہ ،آیت :۸۷) گئی ہے اس لیے اب ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

کیا ہم نے کبھی اللہ تعالیٰ کی یہ قہر آمیز بات نہیں سنی اور وہ ذات جو اپنے کہے کو پورا بھی کر سکتی ہے کہ

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـئًـا‌ ؕ (پارہ: ۱۰ ،س:توبہ، آیت ۳۹)

تم جہاد کے لیے نہ اٹھو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔

کیا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت آیت نازل ہوتی تو ہم جہاد کے لیے اٹھتے جن کے دل میں ایمان کی ادنیٰ سی حرارت اور آخرت کا موہوم سا بھی تصور ہے ان کو لرزا دینے کے لیے بس یہی آیت کافی ہے۔

جہاد تو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا راستہ ہے اور با مقصد زندگی گزارنے والوں کی جادہ راہ اگر ہماری زندگی بھی با مقصد ہے تو پھر ہم اس راہ کو کیوں نہ اپنا لیں؟ مشرقی پاکستان کے سقوط کا کیا ہوا؟ اگر آج بھی جہاد زندہ ہوتا تو کیا اس کا بدلہ نہ اتر جاتا۔ وہاں ہزاروں مسلمانوں کا خون محض اس لیے بہہ گیا کہ وہ پاکستان کے ساتھ متحد رہنا چاہتے تھے ان کے اس ''جرم وفا'' کی اتنی بھیانک سزا اور باقی رہ جانے والوں کی اتنی بے حسی ایک مشرقی پاکستان ہی کیا کشمیر، فلسطین، بوسنیا اور برما میں کیا کفر اور اسلام کی جنگ نہیں ہے۔ ہم کس انتظار میں ہیں؟ جن کی زندگیاں با مقصد ہوا کرتی ہیں وہ تو ان مواقع کو قدرت کی عطاء بے انتہا جانتے ہیں۔

ے مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دینوب و نیل[1]

---

[1] کلیات اقبال، ص:۳۸۸۔

ایسے مجاہدوں کے کندھے تو سر کی امانت اس کے مالک تک پہنچانے کو بے تاب رہتے ہیں اور ان کے وجود ان کی ادائیں اور ان کے عزائم زبان حال سے پکار پکار کر یہ پیغام دیتے پھرتے ہیں کہ

مال وزر دل وجگر ، کر دے سبھی کو وقفِ در
بندگی اور بقیدسر ، ننگ ہے بندگی نہیں

اخلاقیات: اس امت کے خمیر میں انسانی جذبات کا احترام اور اخلاقی اقدار کا ایک بہت بڑا حصہ شامل ہے۔ اسلاف جس طرح اس زندگی کو بامقصد جانتے تھے جس میں ظاہری گناہوں سے پرہیز اور اطاعت الٰہی شامل ہو بالکل اسی طرح وہ اخلاق کے معاملے میں باطنی گناہوں کو مہلک اور معصیت خداوندی شمار کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک بامقصد مسلمان کی زندگی میں یہ بات شامل تھی کہ اپنے بڑوں کا ادب کرے اپنے چھوٹوں سے شفقت سے پیش آئے اور غیبت، چغلی، حسد، کینہ، دھوکہ دہی اور جھوٹ سے مکمل پرہیز کرے۔ وہ جس طرح ان گناہوں سے بچنے اور بچانے والے تھے جن کا ارتکاب جسم کرتا ہے اسی طرح ان گناہوں سے خود بھی دور رہتے تھے اور اپنے رفقاء کو بھی ان سے دور رکھنے کی جدوجہد کرتے تھے جن کا ارتکاب روح کرتی ہے اور وہ بسا اوقات ظاہری گناہوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ ہمدردی، سخاوت، وفاء عہد اور دوسروں کے حقوق وفرائض کو ادا کرنا ان کی بامقصد زندگیوں کا خاصہ تھا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ کی تعریف میں خود اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ. اور بے شک آپ اخلاق کے بہت بلند مرتبے پر ہیں۔
(پارہ: ۲۹، س: القلم، آیت ④)

اس لیے اخلاقی اقدار تو بس وہی ہیں جو خود انہوں نے مرتب فرمائی ہیں، تلقین کی ہیں یا عمل کر کے دکھایا ہے۔ اہل ایمان کے ساتھ نرمی اگر اخلاقیات کا حصہ ہے تو کفار کے ساتھ سختی بھی اخلاقیات ہی میں شامل

ہے۔مظلوم کا ساتھ دینا اچھی اقدار کا ثبوت ہے تو ظالم کو سزا دینا بھی انہی اقدار حسنہ کا خاصہ ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء اور اصاغر کے معاملے میں اس قدر شفیق تھے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کے قبیلے بنو قریظہ کے معاملے میں فیصلہ کرنے کے لیے تشریف لائے تو آپ نے انہیں گلے لگا لیا۔ان کے ہاتھ میں ایک زخم تھا جس سے خون فوارے کی طرح بہنے لگا اور اس خون کی دھار آپ کے چہرے مبارک اور داڑھی پر پڑ رہی تھی مگر آپ نے انہیں محبت اور شفقت کی وجہ سے اپنے جسم سے الگ نہیں کیا اور الگ کرنا تو در کنار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی جناب رسول اللہ ﷺ کو اس خون کی دھار سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا اور آپ اتنے ہی زیادہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے چمٹ رہے تھے۔[1]

یہ ہے اخلاق عالیہ کی تعلیم کہ جس نے کسی مقصد کے لیے قربانی دی ہو اس سے شفقت و محبت کا یہ برتاؤ اور اس کی خوبیوں کا اعتراف۔

یتیموں کے ساتھ کیا سلوک تھا؟ حضرت بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو آپ نے انہیں بلا کر ان کے والد کی شہادت کی اطلاع دی تو وہ رو پڑے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیا ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور یہ کہتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میں تمہارا باپ بن جاؤں اور عائشہ رضی اللہ عنہا تمہاری ماں ہوں۔اور پھر مجھے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔[2]

انہی اقدار پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت ہوئی تھی۔ چراغ نبوت سے جنہوں نے روشنی حاصل کی تھی وہ بھی اس سانچے میں ڈھل گئے تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۴۲۶۔

[2] الاصابہ، ج:۱،ص:۱۵۳۔

حضرت عمر ﷛ دسترخوان پر تشریف فرماتے اور مہمانوں کے لیے کھانا چنا جا رہا تھا۔اس موقع پر حضرت عمرو بن طفیل ﷛ بھی حاضر تھے جن کا ایک ہاتھ جنگ یمامہ میں کٹ گیا تھا۔جب کھانے کی ابتداء ہوئی تو یہ حضرت عمر ﷛ کے قریب سے اٹھ گئے۔وہ فوراً اس بات کو بھانپ گئے اور فرمایا عمر تم اپنے ہاتھ کی وجہ سے کھانے سے اُٹھ گئے ہو۔انہوں نے جواب دیا جی ہاں تو حضرت عمر ﷛ نے فرمایا ایسے نہ کرو۔اللہ کی قسم میں کھانے کو چکھوں گا بھی نہیں جب تک کہ تم اس کھانے کو دوسرے ہاتھ سے کھانا نہ شروع کرو اور اللہ کی قسم اس پورے مجمع میں تمہارے علاوہ کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کے جسم کا کوئی ٹکڑا جنت میں پہنچ چکا ہو۔پھر انہوں نے بھی کھانا کھایا اور بعد میں غزوہ یرموک میں انہیں مقام شہادت نصیب ہوا۔[1]

معذروں کے ساتھ شفقت کا یہ رویہ اور انہیں یوں خوشخبری سنانا یہ انہیں کا حصہ تھا جن کی زندگیاں با مقصد اور عادات اخلاق نبوی ﷺ سے مستنبط تھیں۔اپنے معاصرین اہل علم اور جن کی بزرگی مسلم تھی ان کے حقوق کے کیسے محافظ تھے اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

کوفہ میں ایک شخص کو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا کہ تہبند اونچا باندھا کرو تو اس نے منہ درمنہ بات کی اور کہا کہ آپ بھی اونچا باندھا کریں۔انہوں نے فرمایا کہ میں معذور ہوں اور پھر اپنا عذر بیان کر دیا۔دور اور زمانہ حضرت عمر ﷛ کی خلافت کا تھا۔یہ خبر شدہ شدہ مدینہ طیبہ میں پہنچی اور حضرت عمر ﷛ سن کر خاموش ہو گئے۔یہ اعتراض کرنے والا آدمی ایک مرتبہ مدینہ طیبہ آیا تو اس نے اپنا تعارف حضرت عمر ﷛ سے کروایا۔آپ کے ذہن میں یہ بات پوری طرح گھر کر چکی تھی کہ اگر وہ معترض کبھی ملا تو اسے ادب سکھانا ہے۔جب یقین ہو گیا کہ یہ وہی شخص ہے تو آپ نے درے سے اس کی خبر لینی شروع کی اور مارنے کے ساتھ بار بار یہ فرمایا کہ ابن مسعود (﷛) کی بات کو ردّ کرتا ہے؟ تو انہیں

---

[1] ابن سعد.

جواب دیتا ہے؟ [۱]

تو یہ ہے ادب سکھانا اور تعلیم کہ بسا اوقات ایک عام آدمی اور کسی اللہ کے مقرب بندے کا فعل ظاہراً ایک جیسا ہی ہوا کرتا ہے مگر دونوں کی حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ظاہراً اعتراض کرنے والا صرف اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے کی بجائے اپنی عقل کو ناقص اور کامل کے فعل کو مکمل تسلیم کرلے تو کچھ ادب اور انسانیت سیکھ لیتا ہے۔ یہ بھی پڑھ لیجیے کہ چھوٹوں کو اپنے اکابر پر کیسا اعتماد اور ان کا کتنا احترام ان کے دلوں میں جاگزیں تھا۔

یمن کے محدث حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے تھے کہ ایک حج کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلبیہ پڑھ رہے تھے اور سب لوگ ٹھہرے ہوئے تھے، کوچ کرنے کا وقت آچکا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلبیہ مسلسل پڑھے جارہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی پاس کھڑے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ کوچ کا وقت ہوچکا ہے۔ پاس ہی ایک آدمی بولا کہ کیا چلنے کا وقت نہیں ہوگیا؟ تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف اتنا فرمایا کہ مجھے علم نہیں۔

یہ لاعلمی کا اظہار کیوں؟ اس لیے نہیں کہ وہ مسئلہ نہیں جانتے تھے اس لیے کہ یہ جملہ یا اس کا جواب امیر المؤمنین کے کان میں پڑ گیا تو اس وقت جوان کی کیفیت مع اللہ ہے اس میں خلل واقع ہوسکتا ہے۔ وہ اگر کھڑے ہیں تو کسی مصلحت ہی سے کھڑے ہوں گے۔ وہ خود مسائل جانتے ہیں ہمیں تو ان کے پیچھے چلنا ہے اور ان کا ادب کرنا ہے۔ اس بات کے پیش نظر انہوں نے اس شخص کو صرف یہ کہہ کر چپ کرادیا کہ مجھے علم نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ادب واحترام پر بہت تعجب ہوا۔ [۲]

---

[۱] کنز العمال، ج:۷، ص:۵۵

[۲] منتخب کنز العمال، ج:۵، ص:۳۲۹.

یہ تھے اسلاف جنہوں نے اخلاقیات کو برت کر دکھایا اور نمونے قائم کیے۔ بامقصد باادب زندگی نے انہیں دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ ور کیا، انہوں نے پوری دنیا میں انسانیت کی شمع روشن کی اور اخلاقی اقدار کا عملی سبق سکھایا۔

اب ہمارے ہاں فقط اخلاقیات اور اقدار کا پرچار رہ گیا ہے۔ غصہ پر ہمیں قابو نہیں۔ دوسروں کی عیب چینی سے ہمیں فرصت نہیں۔ اپنے مزاج کے خلاف بات اگرچہ درست ہی کیوں نہ ہو نہیں بھاتی۔ غیبت کے بغیر شاید ہی کوئی دن گذرتا ہو۔ اپنے نفس پر قابو تو درکنار کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ کتنا بڑا دشمن ہے جو پہلو ہی میں موجود ہے۔ تو پھر آخر کس طرح زندگی بامقصد بنے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔ اسلاف کی سیرت و کردار اپنانا تو درکنار علم تک نہیں ہے کہ وہ کیسے تھے ہم کیا ہیں؟ اللہ تعالی نے انہیں دنیا میں نمونہ بنا کر بھیجا اور ان کی زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ تھیں۔ ہم اپنے کردار میں ایسے پست ہوئے کہ بقول علامہ اقبال مرحوم کے۔[1]

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں	امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں	تھا ابراہم پدر اور پسر آذر ہیں

باده آشام نئے باده نیا خم بھی نئے
حرم کعبہ نیا، بت بھی نئے تم بھی نئے

مسئلے کا حل: مسئلے کا حل یہی ہے کہ سب سے پہلے تو ہم اپنی زندگی کا مقصد متعین کریں کہ کیا کرنا ہے اور کس لیے کرنا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا ہی مقصود زندگی ہے تو پھر شریعت کی پابندی کو طرز عمل بنا لیں یہ طے کر لیں کہ جس حد تک ہو سکے گا پوری کوشش کر کے اپنے عقائد، اعمال اور اخلاق شریعت کے مطابق بنائیں گے۔ گناہ کی ذلت سے اپنے آپ کو ہر ممکن حد تک محفوظ رکھیں گے۔ یہ بحث

---

[1] کلیات اقبال، بانگ دراء، زیر عنوان: جواب شکوہ، ص: ۲۰۰۔

کہ فلاں گناہ صغیرہ ہے اور فلاں کبیرہ اگر چہ اپنے مقام پر درست مگر نشیمن جلانے کے لیے ضروری نہیں کہ آگ کا الاؤ ہی ہو بسا اوقات ایک چنگاری بھی قیامت برپا کر دیتی ہے۔ اپنا وجود اور اپنی عقل شریعت کے حوالے کر دیں گے بس جس موقع پر سختی مطلوب ہے وہاں سخت رہیں گے اور جن مواقع پر نرمی مطلوب ہے وہاں نرم پڑ جائیں گے۔ اسلاف واکابر میں سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ ان کی صبح سے لے کر شام اور شام سے لے کر صبح تک کی زندگی سنت کے مطابق تھی۔

فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی　　ره حق میں تھی دوڑ اور باگ ان کی
شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی　　بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی

جہاں کردیا نرم، نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم، گرما گئے وہ

ہم یہ طے کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مقابلے میں ہمارا وجود، ہماری رائے، ہماری عقل ودانش اور تدبیر وتجویز کچھ نہیں ہے۔ ان کی حقیقت کالعدم ہے اور یہ تمام چیزیں پرکاہ کے برابر ہیں۔ رضائے باری تعالیٰ اصل ہے اور اسے ہی حاصل کرنے کے لیے زندگی کے دکھ سکھ اور موت کی تکالیف ومسرتیں ہیں۔ ہم اپنے جسم وروح سے سرزد ہونے والے تمام اعمال پر شریعت ہی کی بالادستی قائم کریں گے۔ امیر المؤمنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عالم تھا کہ ان کے ایک معتقد جو پٹنہ میں رہتے تھے ان کے لیے سال میں تین سو ساٹھ جوڑے کپڑے تیار کروا کر بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ روزانہ نیا لباس پہنیں۔ شہادت سے چند دن قبل حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا لوگو اگرچہ میں روزانہ لباس پہنتا ہوں مگر اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہو کہ میں کمبل کا (موٹا) لباس پہنوں اور بھینس کے گوبر میں دھنس جاؤں تو بندے کا کام یہ ہے کہ اللہ کی رضا میں راضی رہے۔ ان کے ایک پٹھان مرید نے یہ سن کر کہا ”کیا ہم سے تم جدا ہونا چاہتے ہے یہ کیا معاملہ ہے کہ بار بار ایسا کلمہ کہتا ہے۔“ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا واقع میں بندے کو اللہ تعالیٰ

کے حکم کی تعمیل میں ہر حالت میں تیار رہنا چاہیے۔

شریعت نبی کریم ﷺ کی صحبت طیبہ سے صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے حاصل کی تھی۔ پھر ان سے تابعین نے اسے سیکھا پھر ان کی صحبت سے تبع تابعین اس نور سے منور ہوئے اور پھر ان سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت سے عقائد کی اصلاح، علوم میں برکت اور اعمال میں روحانیت آتی ہے اس لیے یہ ازحد ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندوں کی مجلس اختیار کی جائے۔ ان سے اخلاقیات کا اعلیٰ درس حاصل کیا جائے اور زندگی کو شریعت کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جائے۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
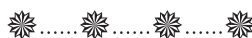
ہے مرا چارہ گر مدینے میں
منزل و راہبر مدینے میں

سارے رستے حضور ﷺ کے گھر کے
ہوگئے ہم سفر مدینے میں

کتنی صدیوں پہ ہوگئے ہیں محیط
میرے شام و سحر مدینے میں

کتنی صبحیں ظہور کرتا ہے
جاگنا رات بھر مدینے میں

تو نے کچھ بھی تو دیکھنے نہ دیا
اے مری چشم تر مدینے میں

کیسے کعبہ سے ہو کے لوٹ آؤں
میرا رختِ سفر مدینے میں

یاد فرمایئے مرے مولا
مجھ کو بارِ دگر مدینے میں

کتنے ہوتے ہیں خوش نصیب عطاء
جن کے ہوتے ہیں گھر مدینے میں

(عطاء الحق قاسمی)
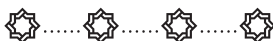
تیار کردہ: وحید حفیظ گھی انڈسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ (فوجی بناسپتی) پلاٹ نمبر 2-B، انڈسٹریل سٹیٹ حطار، پاکستان

فون نمبر: 0995-617256,617257,617010

فیکس نمبر: 617011